ترانۂ حمد و نعت

سیّد اطہر حسین

(جملہ حقوق بحق مصنّف محفوظ ہیں)

سنہ اشاعت و تعداد ____ ۱۰۰۰ ____ سنہ ۱۹۸۲ء

کاتب ____ عشرت لکھنوی

مَطبَع ____ نامی پریس لکھنؤ

ھَدیہ ____ ۵/-

(فخرالدّین علی احمد میموریل کمیٹی (اُتّر پردیش) کی اعانت سے طبع شدہ)

ملنے کے پتے

۲، گورنمنٹ نرسری کمپاؤنڈ۔ مال روڈ ____ لکھنؤ

مُسلم مُسافر خانہ، لاٹوش روڈ، چارباغ ____ لکھنؤ

جدید دُنیا کو اسلام کی پیشکش

اس سے قبل میرے تین[۳] نعتیہ مجموعے "حریمِ رسالت" "دیارِ رحمت"، اور "گہر ہائے عقیدت" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ آخری دو[۲] میں سیرت اور اسلام پر مضامین شامل ہیں۔ اِس مجموعہ میں یہ مضمون پیش کر رہا ہوں، کیونکہ ہمارا پڑھا لکھا طبقہ کچھ ذہنی الجھنوں کا شکار رہتا ہے اور مغربیت سے مغلوب ہو کر اس کے دماغ میں طرح طرح کے سوالات اُٹھتے ہیں اور ابدی حقائق پر اس کی نظر کم پڑتی ہے۔ اُسے سمجھنا ہے کہ تا قیامت خدا اور اس کے رسُول صلے اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر ہی چل کر دنیوی اور اخروی فلاح و بہبود مِل سکتی ہے۔

قبل اِس کے کہ اس موضوع پر بحث کی جائے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام کتنی باتوں کا علمبردار ہے اور جدیدیت کیا ہے؟ اس میں سُود و زیاں کس قدر ہے وہ فکرِ انسانی پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے اور بنی نوع انسان کو کس سمت لے جا رہی ہے اور زیادہ نقیبِ مسرّت بھی رہی ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے انسان کو زندگی کی بعض صداقتوں سے باخبر ہونا چاہیئے اور اس کے مطابق اس کا فکر و عمل ہونا چاہیئے۔ ان حقیقتوں کا اظہار اس کے چند نظریاتی اعتقادات کی شکل میں ہوتا ہے، وہ یہ ہیں کہ:۔ خدا ایک ہے جس کی وحی کا نزول انبیاء علیہ السّلام کے ایک سلسلہ سے ہوتا رہا ہے، اور اُس زنجیر کی آخری کڑی پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتی ہے۔ نوعِ انسانی کی ایک وحدت ہے اور احتسابِ اعمال انسانی ناگزیر ہے، کیونکہ انسان کی زندگی اس دنیا کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتی ہے بلکہ موت عقبیٰ کی زندگی میں داخل ہونے کا دروازہ ہے۔ اسلام بتاتا ہے کہ کائنات ایک انسانی حادثۂ تخلیق نہیں ہے، نہ اشیاء اور قوتیں از خود عالمِ وجود میں آ گئی ہیں اور نہ ان کا قیام بے سبب ہے بلکہ یہ سب ایک متعین مقصد کے لئے ہے، اور انسان کو بحیثیت خلیفۃ اللہ اِس کارخانۂ قدرت میں ایک مثبت کردار ادا کرنا ہے۔ اس کا اصل اصول یہ عقیدہ ہے کہ خدا ایک ہے، جو مبہم دور دراز ناقابلِ فہم نہیں، بلکہ شدّت کے ساتھ حقیقی لیکن ماورائی وجود ہے جو دنیا کا خالق اور رب ہے، جو ارحم الراحمین ہے، قادرِ مطلق ہے، علیم و خبیر ہے، اور جس کے سوا کوئی اللہ نہیں۔ وہ اعلیٰ و ارفع ہے، جو انسان کی رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے، جو سب کچھ جاننے والا اور ہر آن خبردار ہے، جو ہر شے کو حلقہ کئے ہوئے خود فہم و ادراک سے باہر ہے، لیکن پھر بھی انسان کی اُس تک رسائی ہے۔ اس کی وحدانیت کائناتی، مطلق اور غیر مشروط ہے۔

اسلام کا ہر عقیدہ اور ہر نظریہ اسی تصور کا مرہونِ منّت ہے۔

بایں ہمہ اسلام محض دماغ کے ایک روحانی رجحان کا نام نہیں بلکہ وہ تمدن کا خود کفیل مدار ہے، اور ایسا نظامِ معاشرت ہے جس کی اہمیت کا ہر پہلو معروف و متعین ہے وہ محض انسان اور اس کے خالق کے درمیان ماورائی تعلقات کی تعریف و تشریح اور اعتقادات کی تجویز پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ انفرادی کردار اور معاشرہ کے طور و طریقے کیلئے قوائد بھی وضع کرتا ہے۔ درحقیقت یہ ایک ہمہ گیر ضابطۂ زندگی ہے جو باقاعدہ اور مثبت بنیاد پر اخلاقیات کے بنیادی اصول متعین کرتا ہے، اور جامع طور پر انسان کے فرائض بتاتا ہے۔

اسلام میں زندگی کا تصور دنیا میں مادّی بہبودی کی شکل میں خوشیوں کی نفی نہیں کرتا ہے۔ وہ ترکِ دنیا کا طالب نہیں، اور نہ روحانی پاکیزگی کے لئے رہبانیت کی تلقین کرتا ہے۔ اسلام میں اصول عمل کی تشریح قرآن پاک اس طرح کرتا ہے :-

"ہمارے آقا اس دنیا کی فلاح بخش دے اور عقبیٰ کی بھی"

اس کے ساتھ ساتھ اسلام مادّی رجحانات کی حمایت نہیں کرتا ہے بلکہ انسان میں اخلاقی ذمہ داری کو بیدار کرتا ہے۔ انسان جو بھی کام کرتا ہے اس کا حلقۂ عمل ایسا نہیں کہ وہ اسلامی اخلاق سے باہر ہو۔ اسلام کے ملزومات میں دو بنیادی عناصر داخل ہیں :- اوّل اللہ تعالیٰ پر ایمان، دوئم اتّقا کی زندگی بسر کرنا جو ایمان سے

مطابقت رکھتی ہو۔ اس طرح انسان کو دوہری ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا ہے۔ پہلی کا تعلق خدا کی ذات سے ہے، اور دوسری کا دوسرے انسانوں سے تعلق ہے۔ اول الذکر کا اظہار خودی کے ارتقاء سے ہوتا ہے اور دوسری کا سماجی شعور سے جو دوسروں کے مفاد کو ملحوظ رکھنے سے متعلق ہے۔ یہ دونوں ذمہ داریاں فی الحقیقت زندگی کے ایک ہی رجحان کے دو پہلو ہیں۔

جدید دنیا نے سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی کے میدانوں میں بڑی حیرت انگیز پیش رفت کی ہے۔ جس نے نوع انسانی کی راحت و آرام میں بڑا اضافہ کر دیا ہے فاصلے مختصر کرائے ہیں۔ رسل و رسائل میں آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ تعلیم میں عظیم ترقی ہو گئی ہے۔ صحت عامہ۔ علم حفظان صحت اور صفائی کے طریقوں میں اضافہ ہو گیا ہے۔ زراعت کی تکنیک نے پیداوار میں اضافہ کر دیا۔ محنت و مشقت میں مشینوں نے بہت کمی کر دی ہے اور ترقیاتی کاموں کی رفتار بہت تیز ہو گئی۔ یہ سب ہوتے ہوئے بھی زندگی کے میزان میں یہ ساری ترقیاں نفع کے مقابلہ میں ضرر رساں اور کمزوریوں کا باعث زیادہ بنیں جو انسانی زندگی میں داخل ہو گئی ہیں۔ یہ ساری ترقیاں چمک دمک کے باوجود قبضہ و اقتدار کے عقیدوں سے نہ صرف منسلک بلکہ مغلوب ہیں ان کو صرف ایک مثبت مذہب ہے اور وہ مادی ترقیوں کی پرستش جدیدیت نے ایک ایسا انسانی طبقہ پیدا کر دیا ہے جسکی اخلاقیات صرف منفعت کے سوال تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ طاقت عظمت کا تنہا معیار ہو گیا ہے اور

تمام طاقتوں کے حصول کا ذریعہ دولت ہے۔

جدیدیت ناگہانی طور پر نہیں نازل ہوئی۔ عرصۂ دراز سے دنیا اس طرف چل رہی تھی۔ اس مختصر مضمون میں اتنی گنجائش نہیں کہ اس کی بنیاد یا عروج و ترقی کا تجزیہ کیا جا سکے۔ لیکن اتنا کہا جا سکتا ہے کہ مذہبی اسپرٹ کے زوال۔ تہذیب کے انحطاط اور مادیت کے فروغ سائنس دانوں کے ہاتھوں کائنات کی صرف مادی تشریح۔ مذہب اور دلائل میں یورپ میں چھڑی جنگ فلسفیوں اور سیاست دانوں کی موشگافیوں نے اسے جنم اور فروغ دیا۔ مادیت کا زور ہوا ہے لیکن کچھ عرصہ کے بعد اس میں جمود آگیا اور ظاہر ہو گیا کہ خود سائنس اور ٹکنالوجی کسی تہذیب و تمدن کے موجد نہیں ہیں اور نہ انہیں بقا دے سکتے ہیں۔

مادیت کا سب سے برا نتیجہ یہ رہا کہ اس نے ایسے طرز فکر کی بنیاد ڈالی جس نے ماورائی حقیقتوں کو نظر انداز کر دیا۔ مذہبی اور روحانی رجحانات کو کمزور کر کے مادی سہولتوں اور آسائش کی پرستش شروع کرا دی۔ جدیدیت نے مذہب کی جگہ غیر مذہبی تصورات کی داغ بیل ڈالی لیکن صرف اسراف، بیجا، تن آسانی، تن پروری، فریب نظر اور کھوٹی قدروں کو فروغ دے سکی اور کوئی ابدی مطمع نظر یا قدریں پیش نہ کر سکی جن کے سہارے انسانیت حقیقی ترقی کر سکتی۔ اس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ مذہب ایک ذاتی معاملہ ہے جس کا دخل ہر جگہ نہیں ہو سکتا اور اسے زندگی کے ایک گوشہ تک ہی محدود رکھنا ہے۔ اس نظریہ نے لوگوں کو بے راہ روی

اور مغالطہ میں ڈال دیا۔ اور ایک مصنوعی تہذیب اُبھر کر آئی جس میں تصنّع اور بناوٹ کے ساتھ ساتھ نہ معلوم کتنی کمزوریاں اور برائیاں ہیں۔ جو چیز مقدّس اور متبرّک ہے وہی مستقل، ابدی، بامقصد اور انتہائی شاندار ہے، اور بغیر اس کے احساس کے تہذیب کھوکھلی ہوگی۔

اسلام رُوحانیت اور مادیت۔ دنیوی اور اُخروی کی تفریق کو رَد کرتا ہے اُس کی رو سے ہر انسانی فعل میں روحانیت کے پہلو خواہ مثبت یا منفی شامل ہوتا ہے اسلام زندگی کا ایک متبرک نظریہ پیش کرتا ہے جو اسے اطاعت خداوندی کے حدود میں آزادی فکر و عمل بخشتا ہے۔

آج انسان کو ایسے سماجی معاشرہ کی ضرورت ہے جو اس کی ہستی کا جواز پیش کر سکے اور انسانی دماغ۔ سائنس اور انکشافات کو ایسا نظام قائم کرنے میں معاون ہو جو انسان کی اصلی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ اسلام علّام الغیوب ذاتِ مطلق کا پیغام ہے جس نے انسان کی ہر ضرورت کا لحاظ رکھا ہے اور ایک متوازن زندگی کا ضابطہ پیش کرتا ہے اور روحانی اور مادی ضرورتوں کے درمیان تناسب و توازن قائم کرتا ہے، انیسویں صدی کے ارتقائی نظریہ سے ہٹ کر آج سائنس داں اور مفکّرین ابدی قدروں کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ جن کی طرف اسلام براہ راست دعوت دیتا ہے۔ اسلام سائنس اور ٹکنالوجی کے خلاف نہیں ہے بلکہ بے شمار آیتوں میں قرآن عظیم نے انسان کو ترغیب دی ہے کہ وہ کارخانہ فطرت کا مطالعہ

کرے، ان کے اشیاء اور قوتوں کو سمجھے اور ان کے قوانین کا علم حاصل کرے، تاریخ کے سبق اور گذشتہ تہذیبوں کے انجام پر غور کرے۔ وہ نصیحت اور تاکید کرتا ہے کہ انسان علم حاصل کرے، اس کو ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے ایک فریضہ بتاتا ہے۔

جب پورا یورپ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا تو عربی ادب۔ سائنس۔ تاریخ۔ جغرافیہ ریاضی۔ فلسفہ وغیرہ اس نکتہ عروج پر پہونچ چکے تھے کہ ساری دنیا کے لئے مشعل راہ بن گئے تھے۔ انہوں نے اس طاقت کی بنیاد ڈالی جو موجودہ دنیا کا طرۂ امتیاز ہے۔ لیکن بہت سے تاریخی وجوہات کی بنا پر مسلمان تنزّل پذیر ہو گئے، اور ہر میدان میں بہت پیچھے رہ گئے۔ انہیں عہد ماضی کی شان و شکوہ کو دوبارہ حاصل کرنا ہے۔

مغربی تہذیب نے مادّی ترقیوں کی بنا پر تمام دنیا پر تسلّط حاصل کر لیا لیکن وہ کوئی ایسا دستور ریاضابطہ نہ پیش کر سکی جس میں سماجی ہم آہنگی ہو اخلاقی اور روحانی قدریں ہوں اور عالمگیر امن و آشتی قائم ہو سکے۔ اس کی سائنس اور ٹکنالوجی کی زبردست کامیابی نے اخلاقی ڈھانچہ کو ہلا دیا اور ہر سطح پر کشمکش اور تناؤ پیدا ہو گیا۔ انسانی دماغ کی کاوشوں اور تحقیقات و تجربات کو روکا نہیں جا سکتا ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی نہ معلوم آئندہ کیا حاصل کرے گی مگر مسئلہ سائنس اور ٹکنالوجی کا نہیں ہے بلکہ افراد کا ہے جنہیں ان پر دسترس حاصل ہے یا جو خود ان کے شکنجہ میں گرفتار ہیں اور دنیوی کامیابی کے گرویدہ ہو گئے ہیں۔

یہی ذہنیت سب سے خطرناک ہے اور اسکو بدلنا ہے یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ انسان احکامات خداوندی کا اطاعت گزار بن جائے۔ اپنے جذبات و خواہشوں کو قابو پر رکھے۔ تصادم اور کشمکش سے پرہیز کرے اور ذاتی اغراض کا ہی بندہ نہ بن جائے۔

اسلام مادّی ترقی اور اسکے لئے جد وجہد کو منع نہیں کرتا ہے کیونکہ کسی درجہ کی مادّی ترقی و اقتصادی فلاح بذاتِ خود اخلاقی اور روحانی ترقی کے منافی نہیں ہیں بلکہ کچھ حد تک مالی فارغ البالی ترقی کے لئے ضروری ہے۔ اسلام صرف یہ چاہتا ہے کہ صرف مادّی ترقی ہی زندگی کا مقصد نہ بن جائے کیونکہ بلند معیار زندگی کی خود کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ پیداوار اور قوت کے ذرائع اور سائنٹفک ٹکنیک کو مختلف نظریات اور قدروں کے تحت کام میں لایا جاسکتا ہے اور اقتصادی سرگرمیوں کو زندگی کے اصلی نصب العین کے تحت لایا جاسکتا ہے افراد کے منافع کے لئے اعلیٰ قدروں کو پامال نہیں کیا جاسکتا ہے اور معاشرہ کی بہبود ناگزیر ہے۔ اس وقت انسانی شخصیت اور سماجی بندھن ٹکنالوجی کے دباؤ سے ٹوٹ رہے ہیں۔

گو جزوی معاملات میں اسلام میں بہت کافی لوچ و لچک ہے لیکن اسکے بنیادی اصول بالکل اٹل ہیں جن میں کسی قسم کا ردو بدل نہیں ہوسکتا ہے نہ ان سے کسی صورت یا کسی حالت میں گریز کیا جاسکتا ہے۔ مسلمان کو اپنے کو

عصرِ حاضر کے رنگ و ڈھنگ میں نہیں ڈھالنا ہے اور نہ جدیدیت کی برائیوں اور کمزوریوں کو اپنانا ہے بلکہ جدید دنیا کو اعلیٰ اور بنیادی قدروں کو اپنانا ہے اسلام اباحتی سوسائٹی کی اجازت نہیں دیتا ہے جہاں ہر چیز روا ہو اور نہ شراب وعیاشی کی اجازت دیتا ہے اور سختی کے ساتھ مکر و فریب۔ منافقت فقدان خلوص اور خود غرضی کو قطعاً ممنوع قرار دیتا ہے۔ اس میں ناجائز انتفاع۔ سیاسی یا اقتصادی تسلط یا نسلی ولسانی بغض وعناد کی گنجائش نہیں۔ وہ ایک خدا ترس۔ پاکیزہ۔ وسیع القلب۔ تعلیم یافتہ۔ شائستہ۔ ہمدرد اور مخیّر لوگوں کا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے تاکہ لوگ حق وانصاف کو سربلند کریں۔ تمام معاصی عیوب بدعنوانیوں اور مفاد کو روکیں اور ستّی ہو کر انسانیت کی فلاح کے لئے کام کریں۔

آج کا انسان امن وسکون کے لئے بیقرار ہے، عالمگیر جنگ اسوجہ سے رکی ہوئی ہے کہ بڑی طاقتوں کو تباہ کن جواب کا خطرہ رہتا ہے۔ اگر انسان دنیوی ضرورتوں کے آگے نہیں دیکھے گا اور زندگی کے مقدّس مقاصد کو نہیں سمجھے گا تو دنیا کو ہمیشہ تباہی کا خطرہ رہے گا۔ اسلام رُوحانی اور دنیوی ضرورتوں میں تناسب وتوازن پیدا کرتا ہے، ہر چیز کو اس کا صحیح مقام عطا کرتا ہے اور اسی میں فلاح وبقا ہے۔

پیغامِ محمدیؐ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ عظیم میں فرماتا ہے:- یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، عالم میں خدا کی تعلیم و ہدایت کے شاہد ہیں۔ نیکوکار کو فلاح، کامیابی اور خوشخبری دینے والے مُبشّر ہیں، جو بے خبر ہیں اُن کو ہوشیار اور بیدار کرنے والے نذیر ہیں، بھٹکے ہوؤں کو خدا کی طرف بُلانے والے داعی ہیں، اور خود ہمہ تن نور اور روشن چراغ ہیں، یعنی آپؐ کی ذاتِ مُبارک اور آپؐ کی مُنوّر زندگی راستہ کی روشنی ہے جو راہ کی تاریکیوں کو دُور کر رہی ہے۔ یوں تو ہر پیغمبر شاہد، مبشّر، نذیر اور داعی بن کر آیا لیکن یہ صفاتِ عالیہ ہر پیغمبر کی زندگی میں عملاً یکساں نمایاں نہیں ہوئیں۔ جو بیک وقت شاہد، مبشّر، نذیر اور داعی اور سراج منیر تھا اور جس کے مُرقّعِ حیات میں تمام نقش و نگار یکساں نمایاں ہوئے، وہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تھی" اور یہ اِس وجہ سے کہ آپؐ کے بعد دنیا میں خدا کا کوئی سفیر آنے والا نہیں تھا۔ آپؐ کی تعلیم دائمی حیثیت رکھنے والی تھی

جسے قیامت تک زندہ رہنا ہے، اِس لئے آپؐ کی ذاتِ مُبارک کو مجموعۂ کمال اور دولتِ لازوال بنا کر بھیجا گیا ـــــ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک طبقے، زندگی کے کسی ایک گوشے، کسی ایک طرزِ فکر کی اصلاح نہیں کی، بلکہ آپ نے نہ صرف انسان کو بلکہ نوعِ انسان کو یکسر بدل دیا۔ آپ کی تعلیم، ہدایت، اور نمونہ سے لوگوں کے ذہن، خیالات کی رَو، نگاہ کا زاویہ، عادات واطوار، رسوم ورواج، اخلاقی قدریں، دستور وقانون، جنگ اور صلح کے اسالیب، معیشت اور سیاست کے طور طریقے بدل گئے۔ تہذیب وتمدّن کے ایک ایک ادارے، ایک ایک شعبے اور گوشے کی کایا پلٹ گئی۔ اِس تبدیلی کا دائرہ ہمہ گیر تھا، اور اس میں ایک سِرے سے دوسرے سِرے تک خیر وفلاح کے علاوہ اور کچھ نہیں ملتا ہے۔ ہر طرف بناؤ ہی بناؤ، تعمیر ہی تعمیر، ارتقا ہی ارتقا ہے۔ آپ کے ہاتھوں انسانی زندگی کو نشاۃ الثانیہ مل گئی۔ یہ خیال رہے کہ آپؐ کا ظہور ایسے زمانہ اور حالات میں ہوا تھا جبکہ پوری انسانیت تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ تمام ممالک میں تہذیب اپنی شمعیں گُل کر چکی تھی۔ فارس اور رُوم کے تمدّن میں گو ظاہری چمک دمک تھی لیکن اندر سے وہ کھوکھلی ہو چکی تھی، اور بدترین مظالم کا دَور دَورہ تھا۔ دنیا کے اکثر حصّوں میں طوائف الملوکی تھی۔ نت نئے ٹکراؤ ہوتے رہتے تھے۔ بار بار کشت وخون ہوتا تھا، بغاوتیں ہوتی تھیں، اور انسانیت پامال ہو رہی تھی ـــــ آپؐ نے دنیا کو جو پیغام دیا اُسے چند الفاظ میں کہا جا سکتا ہے: "اٰمَنُوْا وَاَعْمَلُوا الصّٰلِحٰتِ"، یعنی

ایمان لاؤ اور نیک عمل کرو۔ اور یہی اسلام ہے۔ ایمان، تقویٰ، اور راستبازی کو اختیار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ زندگی کے کچھ بنیادی اصولوں کا علم ہو، اور انسان جو کچھ سمجھے، یا جو عمل کرے، وہ اس کے مطابق ہو۔ ان حقائق کو چند بنیادی اعتقادات میں بیان کیا گیا ہے ——— پہلی بات یہ ہے کہ انسان خدا کی وحدت پر یقین کرے، اور یہ سمجھے کہ تمام کائنات میں جو کچھ دکھائی پڑتا ہے یا نہیں دکھائی پڑتا ہے سب خدا کی تخلیق ہے، اور وہی اس کی پرورش کرتا اور بقا دیتا ہے۔ یہ بھی سمجھنا ہے کہ تمام کائنات اور جو کچھ بھی اس میں ہے کسی خاص مقصد اور مطلب کے لئے پیدا کی گئی ہے اور اس کا گہرا تعلق انسان سے ہے، اور اس نسبت سے تمام انسانیت کے لئے پیغامِ خداوندی آتا رہا ہے۔ یہ پیغام، یہ دین، یہ دستورِ حیات ہر زمانہ میں، دنیا کے ہر گوشے میں، انبیاء علیہم السّلام اپنی قوم، اپنے ملک، یا پوری انسانیت کے لئے لے کر آئے ———

یہ بھی یقین ضروری ہے کہ اس دنیا کی زندگی صرف آخرت کی تیاری ہے۔ یہ بنیادی عقائد عمل اور کردار میں ظاہر ہوتا ہے، تاکہ انسان کے اندر ایک متحرک اور زندہ احساس ہمہ وقت خدا کی ذات کا رہے، اُس ذات کا جو اس کو سکونِ قلب دے گا، اور خود انسان اپنے سے اور دنیا سے امن اور آسودگی پائے گا، تاکہ پوری انسانیت متّحد رہ کر باہم اشتراک سے رہ سکے۔

پیغامِ محمدیؐ نے اصرار کیا کہ مسلمان نہ صرف اپنے پیغمبر کو مانیں اور جانیں، بلکہ تمام انبیاء علیہم السّلام اور رسُولوں کو اُسی طرح مانیں اور جانیں اور اُن میں کوئی فرق اور امتیاز

نہ کریں۔ انسان کو ایک ہی برادری میں پرونے کے لئے تمام امتیازات اور ناہمواریوں کو یک لخت ختم کر دیا، جو رنگ و نسل، جنس، فرقے اور معتقدات پر مبنی تھیں۔ جغرافیائی حدود یا انسان کی بنائی ہوئی حدود یا امتیازات کی کوئی اصل نہیں ہے۔ انسان نہ صرف نسلی تفاخر اور بغض سے بچے، بلکہ پوری انسانیت کے لئے نیک خواہشات اور جذبۂ محبت رکھے۔

اگر انسان حقوق اللہ سے واقف ہے اور اُسے ادا کرتا ہے، تو وہ اپنی شخصیت اپنے کردار کو بلند کرتا ہے، ذہنی و رُوحانی ترقی کے منازل طے کرتا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر انسان کی یہ ذمہ داری ہے کہ انسان خدا سے لَو لگائے اور اُسی سے التجا کرے کہ اس کے دل کو، اس کے قلب کو، اس کی فطرت کو سُدھار دے۔ قرآن کہتا ہے کہ:-

اے مومنو! اگر تم خدا کے ساتھ تعاون کرو گے تو خدا تمھاری مدد کرے گا، اور تمھارے قدم مضبوط کر دے گا۔

انسان کی دوسری ذمہ داری ہے کہ اُس میں سماجی شعور پیدا ہو اور پروان چڑھے اور وہ دوسرے کی بھلائی کا خواہاں ہو۔ یہ دونوں ذمہ داریاں جداگانہ نہیں ہیں بلکہ انسانی زندگی کے دو رُخ ہیں۔ ان دونوں ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کچھ ڈسپلن رکھی گئی، جو دو قسم کی ہیں:- ایک فرائض ہیں جو اسلام کے ستون ہیں جیسے:- نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ۔ اور دوسری خود اختیاری ہے، جس میں اخلاقیات آتی ہیں۔ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ وہ اپنی شخصیت اپنے کردار کو رُوحانی ترقی کے راستہ پر بغیر ان دونوں ذمہ داریوں کو پورا کئے چل سکتا ہے تو وہ بہت بڑی غلط فہمی میں

مبتلا ہے ـــــ ان دونوں ذمہ داریوں کو پورا کرنے کو خیر یا بھلائی کہتے ہیں۔ ان سے انحراف یا گریز شر یا بدی ہے۔ یہ امتیاز زندگی کے ہر شعبہ میں قائم رکھنا از حد ضروری ہے، چاہے وہ جسمانی ہو، ذہنی ہو، روحانی ہو، سماجی ہو، اقتصادی ہو، یا سیاسی ہو۔

اِسلام راستہ ہے اطاعت کا، عبادت کا، بدی اور شر سے مستقل جنگ کا اپنی خودی اور خواہش کو رب تعالیٰ کی مرضی اور مشیت کے تابع کرنے کا، اور زندگی کی بلند ترین چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے اپنی تمام قوت اور کاوش کو صرف کرنے کا۔ یہی اصل ہے، یہی صداقت ہے۔ دنیا کی ہر چیز عارضی اور ناپائدار ہے باقی رہنے والی اُسی کی ذات اور انسان کا عمل ہے۔ ؎

یہاں ماسوا ہے جو بھی وہ تمام بے حقیقت
نہیں کوئی اس سے اعلیٰ جو مقامِ بندگی ہے

کاش! ہم اِسلام کے راستہ پر چلیں، اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پیروی کریں ؎

دیکھ منزل تجھے دیتی ہے کہاں سے آواز
سُن، ترا قافلۂ زیست کدھر جاتا ہے

ـــــــــــــــــــ سیّد اطہر حسین

خُدا اور اِنسان

ہر چند کہ معبود تو پَردوں میں چھپا ہے
کہتی رہی ہر شے کہ یہاں اس کا خدا ہے

ادراک میں آسکتا نہیں تیرا تصوّر
ہر شے میں جھلک تیری، جو ہر شے سے جُدا ہے

جُز تیرے نہیں کوئی بھی جو خود سے ہو موجود
یہ رازِ حقیقت ہے جو عالم پہ کُھلا ہے

ہر برگ و شجر سے ہے نمایاں تری قدرت
ہر ذرّۂ خاکی میں کوئی راز چھپا ہے

ہر شے سے جھلکتا ہے جو اعجاز ہی اعجاز
صَنّاعی و قُدرت کی تری طُرفہ اَدا ہے

یہ تیرا کرشمہ ہے کہ ہر شے میں ہے تحریک
بے جان سے بے جان میں جینے کی اَدا ہے

ہر لمحہ جَنَم لیتی ہے اِک ہستیِ تازہ!
ہر آن جو مَصروف یہاں دستِ قضا ہے

خَلّاقِ دو عالَم تری صنّاعی کے صَدقے
ہر سمت طِلسمات کا اِک جال بچھا ہے

یہ انجم و مہتاب یہ سب گردشِ ایّام
دیتے ہیں سبق سب کو جنھیں ذَوق رَہا ہے

تخلیق ہر اک شے ہوئی انسان کی خاطر
پھر کیسے سمجھتا ہے وہ ہر چیز خدا ہے

کج فہمی ہے اس کی کہ وہ یہ بھول گیا تھا
وہ مرتبہ عالی کہ جو انساں کو ملا ہے

ہر قوم میں بھیجے ہیں رُسل تو نے جہاں میں
دیتے رہے پیغام کہ بس ایک خدا ہے

رَوشن ہوئی انساں کے لئے رَاہِ سَعادت
اُلجھا رَہا افکار میں تو اس کی خطا ہے

ہَٹنا ترے رَستے سے قیامت ہے قیامت
اس کا ہی نتیجہ ہے کہ اِک حشر بپا ہے

ڈھونڈا کیا انسان مگر اپنی دلیلیں
ظاہر کی چمک جس میں وہ پھنستا ہی گیا ہے

پھر لوٹنا اس کو ہے مگر تیری ہی جانب
ہر شے سے یہاں کی تو یہی درس ملا ہے

دنیا کی تباہی کے اب آثار بہت ہیں
باوصف ترقی کے مکدّر ہی فضا ہے

تقلید کے قابل ہے اگر کوئی تو اطہرؔ
وہ بندۂ مومن کہ جو مصروفِ دعا ہے

⁂

حمد

ذاتِ قدیم تیری، چھائی ہے جس کی رحمت
کچھ حد نہیں ہے اس کی، کتنی عظیم وحدت

عقل و گماں کے باہر ذاتِ اَبد ہے تیری
اس کی طرف اشارہ کرتی رہی نبوّت

تیرے کرم نے بخشی ہستی ہر ایک شے کی
تیری عطا پہ مبنی ہر شے کی ہے جبلّت

کیا کر سکے تصوّر، ہے کون تیرا ثانی
تیری مثال دینا انساں کی ہے جہالت

ہر شے ہے بے حقیقت، اِک تو ہے بس حقیقت

اک لفظِ کُن سے تونے عالَم کیا ہے پیدا
ہر شے میں تیری قدرت، ممنون کُل جہاں ہے

اَرض وسَما ہیں تیرے، خالق ہے تو سبھی کا
ہر شے میں تیرا جلوہ، ہر چند بے نشاں ہے

یہ مصلحت ہے تیری، اپنے کو یوں چھپایا
ظاہر نہیں ہے پھر بھی، قدرت تری عیاں ہے

تیرا وجود دائم، خلقت کی ہے گواہی
جس نے سمجھ لیا ہے، قائل وہ بے گماں ہے

تیری ربوبیت سے عالَم رَواں دَواں ہے

شمس و قمر بنائے، اشجار بھی اُگائے
مٹّی بنائی جامد، پانی کو دی رَوانی

بادل، ہَوا، سمندر، دریا، پہاڑ، صَحرا
انسان کو عطا کی ان سب پہ حُکمرانی

سَبزے کو دی طراوت، پھُولوں کو دی لطافت
گلشن کو رنگ و نکہت، چڑیوں کو نغمہ خوانی

اس میں کلام کِس کو، عالم کی ہے گواہی
یہ کائنات، تیری قدرت کی ہے نشانی

اپنا مشاہدہ ہے، دنیا کی ہے کہانی

ہر آن ہر جہت ہے، جلوہ ترا نمایاں
چلتا رہا ہے جس سے عالم کا کارخانہ

تیری ثنا ہے کرتا، عالم کا ذرّہ ذرّہ
طرزِ عمل تھا لیکن انساں کا مُشرکانہ

تو نے رسُولؐ بھیجے، دے کر اُنھیں فضیلت
کچھ مِٹ گیا جہاں میں اندازِ کافرانہ

دنیا میں گمرہی کا لیکن رہا یہ قصّہ
کچھ نقش مِٹ گیا ہے، کچھ نقش ہے مِٹانا

اے خالقِ دو عالم، یکتا ہے تو یگانہ

کتنا عجب طریقہ، اصنام کی پرستش
باطل پرست کیسا ڈوبے ہیں تیرگی میں

تجھ سے الگ ہوئے جو، برباد ہوگئے ہیں
دیکھا یہی ہے میں نے، دنیا کی زندگی میں

آشفتہ دل رہا جو غرقِ فجور ہوکر
پایا سکون اُس نے، تیری ہی بندگی میں

کی جس نے بھی اطاعت تیری نجات پائی
تھا فیضیاب، دونوں عالم کی زندگی میں

سمجھو حقیقتوں کو قرآں کی روشنی میں

٭

اے کہ تُو ہے بے نظیر و بے عدیل و بے مثال
ذات ہے تیری سدا قائم، نہیں جس کو زوال

تیری قدرت نے بنائی کائناتِ بے مثال
جس کی ہر شے میں ہے نُدرت اور تکمیلِ کمال

ذرّہ ذرّہ سے نمایاں ہے ترا عکسِ جمال
اے کہ تُو ہے مالکِ مستقبل و ماضی و حال

تیری قدرت کے مظاہر ہیں یہ سب اے ذوالجلال
یہ زمیں، یہ آسماں، یہ روز و شب، یہ ماہ و سال

یوں نمایاں جلوہ ہائے حُسن کے ہیں خدّ و خال
اک کرشمہ ہے کہ جس کی ہو نہیں سکتی مثال

دیکھ لے مالک کہاں پہونچا ہوں کیا میرا ہے حال
کتنا پستی آشنا ہوں، کتنا ژولیدہ خیال

کیا مِلے گا تجھ کو گر ہو جاؤں گا میں پائمال
المدد! دُنیا کے والی، رَد نہ کر میرا سوال

ہے کہاں اِس دَور میں جس میں کہ ہے قحطُ الرِّجال
بندۂ مومن جو ہو رَوشن جبیں، رَوشن خصال

اِک نظر اطہر کی جانب، اے خدائے ذوالجلال
بندۂ ناچیز ہے، اس کو عطا کر دے کمال

زہے نصیب، کہ ہو دل میں آرزو تیری
اس آئینے میں ہو تصویر رُوبرُو تیری

شفق میں رنگ ہے تیرا، گلوں میں بُو تیری
بہ ایں حجاب نمائش ہے چار سُو تیری

تری جھلک تو ہے خاصانِ عشق کی قسمت
یہی بہت ہے رہے دل کو جستجُو تیری

کبھی کبھی ہمہ تن دل بھی بن کے دیکھا ہے
کہ جاگزیں رہی رگ رگ میں آرزو تیری

حقیقتِ اَزلی کو ملی حیاتِ اَبد
بنے صحیفے وہی، تھی جو گفتگو تیری

ترے کرم سے مِلا اذنِ ہم کلامی بھی
کہاں کلیم، کہاں اُن سے گفتگو تیری

بُلا لیا تھا کِسی کو جو عرشِ اعظم تک
اُترتی رحمتیں اب تک ہیں کُو بکُو تیری

زہے وہ آنکھ، بہائے جو اشک تیرے لئے
خوشا وہ دل، کہ ہو جس دل میں آرزو تیری

⁂

عکسِ جمالِ یار تھا، میری نظر جدھر گئی
دیدہ و دل جو وا ہوئے، رُخ سے نقاب اُتر گئی

خیرگیِ نظر کے ساتھ ہوش و حواس گُم ہوئے
خیر دلِ حزیں کی ہو، عقل کی حد گزر گئی

نور ہی نور کُو بکُو، نغمۂ حمد چار سُو
اُس کی ضیائے حُسن سے بزمِ جہاں سنور گئی

اُس کا کرم ہے بیکراں، بخششیں اس کی بے شمار
دیکھ کے اپنی غفلتیں، اشکوں سے آنکھ بھر گئی

دولتِ غم جو دی مجھے، اِس میں بھی ہوگی مصلحت
آہِ سحر کے فیض سے زیست مری سنور گئی

اس کا پیام جانفزا، اُس کا کلام بے بہا
بات جہاں بھی جو بھی کی، دل میں وہیں اُتر گئی

اطہرؔ خستہ و حزیں محوِ ادائے ناز تھا
مل ہی گیا سکوں اُسے، آنکھ جہاں ٹھہر گئی

اِس ساری کائنات میں کیا ہے ترے بغیر
ہر ذرّہ ایک درسِ فنا ہے ترے بغیر

کتنا ہے جاں گُسل یہاں رنجِ فراق بھی
دَرد و اَلم کا کوئی صِلا ہے ترے بغیر

اِس وادیِ خطر سے گزرنا محال تھا
جانِ حزیں کو کچھ نہ ملا ہے ترے بغیر

بس نیستی کی راہ میں لُٹ جاتا کارواں
اِس کا سوال کیا، کہ بَقا ہے ترے بغیر

اِک تیرگی کے دَور میں گُم ہوتی روشنی
خورشید ایک بُجھتا دِیا ہے ترے بغیر

بَربادِ عشق کی یہاں سُنتا ہی کون ہے
مجھ سے زمانہ جیسے خفا ہے ترے بغیر

مِل جائے تیرا غم تو ہے ہستی کا ماحَصَل
ہر دَرد وَرنہ کرب و بَلا ہے ترے بغیر

تیرے کرم کا آج بھی اظہر ہے مُلتجی
اِک نالۂ عَبَث یہ صَدا ہے ترے بغیر

خلق عالم اِس طرح، اَللّٰہُ اَکبر کر دیا
ذات کو اپنی چھپا کر، ذِکر گھر گھر کر دیا

اپنی محفِل کو سجا یا دے کے اُسنے اذنِ عام
میکشوں کے واسطے گردش میں ساغر کر دیا

بخش سکتا ہے مرے اشکوں کو بھی حُسنِ قبُول
وہ، کہ جس نے قطرۂ باراں کو گوہر کر دیا

اُس کی قدرت لازوال اور اُس کی رحمت بے مثال
اُس نے جب چاہا تو قطرے کو سمندر کر دیا

اُس کے ذکر و فکر سے دل کو میسّر تھا سُکوں
مصلحت ہو گی، اُسی دل کو جو مُضطر کر دیا

یہ بھی اے حُسنِ ازل اُدنیٰ کرشمہ ہے ترا
ذرّۂ خاکی کو مہر و ماہ و اختر کر دیا

شُکر تیرا ہو ادا، اُس کا طریقہ بھی بتا
جب خود اپنے بندۂ عاصی کو اطہر کر دیا

⁂

حیاتِ عارضی اپنی، تو ذاتِ دائمی اُن کی
سُپردِ تسلیم خم کرنا ہے، جو بھی ہو خوشی اُن کی

تمام آفاق و انفُس کمیّت سے ہیں جو وابستہ
تجھے ہر حال میں کرنا ہے اے ناداں نفی اُن کی

انھیں کے اِک اشارے سے بنی ہے نیستی ہستی
انھیں کا ہے کرم، بخشی ہوئی ہے زندگی اُن کی

کہوں کس چیز کو اپنی، جو میں خود ہی نہیں اپنا
پڑی جس پر نظر میری تو پائی ہے وہی اُن کی

سوادِ قلب کی تابانیوں کو پُوچھتے کیا ہو
تضرّع سے ملا عرفان اُن کا، آگہی اُن کی

رموزِ قلبِ انساں سے ابھی واقف نہیں دُنیا
یہ ہے گنجینۂ معنیٰ، ملے گر روشنی اُن کی

فنا کر کے خودی اپنی، جنھوں نے پالیا سب کچھ
حقیقت میں وہی عاقل، رہی ہے بندگی اُن کی

عالمِ ہست و بُود ہے ایک جہانِ شور و شر
خطرے بھی ہیں قدم قدم، فتنے بھی ہیں ڈگر ڈگر

پَرتوِ حُسن ہیں شجر، سبزہ و گُل ہوں یا حجر
اُس کا سُراغ پا سکے، عقل کہاں، کہاں نظر

دیکھ سکے کوئی جھلک، اَمرِ محال تھا، مگر
جوشِ نیازِ شوق ہی لے کے گیا قریب تر

بُرق میں جو تڑپ ہے اور، ذرّوں میں سوزِ مُستتر
عشق ہے وجہِ کائنات، حُسن مگر بلند تر

معرفتِ جمال کو چاہیئے فکرِ دیدہ وَر
سابقہ حیرتوں سے ہے حدِّ نگاہ تک مگر

یہ تو مقامِ عشق ہے، منزلِ جذب و کیف ہے
جوشِ جنوں سے واسطہ، عقل و خرد سے درگذر

لُطف تو اُس کا عام ہے، حِلم ہے اُس کا بے حِساب
اُس کے کرم پہ رکھ نظر، چھوڑ مگر نہ رہگزر

اب کوئی لیت و لعل کیا، اب کوئی قیل و قال کیا
جادۂ شوق سے گزر، زیست کو جان اک سفر

اطہرِ سُست گام ابھی منزلِ حُسن دُور ہے
دیر نہ کر قدم بڑھا، زیست بہت ہے مختصر

بدل کے زیست کا ہر رُخ دِکھا رہا ہے کوئی
بَنا بَنا کے مُرقّع ، مِٹا رہا ہے کوئی

اُسی پہ چھوڑ دے اے ناخدا سفینے کو
نہ جانے کِس لئے طُوفاں اُٹھا رہا ہے کوئی

یہ کائنات اُسی کا تو اِک کرشمہ ہے
نظر نظر کو جو حیرَہ بَنا رہا ہے کوئی

فلک کے تاروں میں چھپ کر، کبھی بہاروں میں
ہزار رنگ سے جلوے دِکھا رہا ہے کوئی

پُرے فلک سے ملے گا سُراغ منزل کا
ترا مقام اَزل سے دِکھا رہا ہے کوئی

مری شکستِ اَنا سے یہ صاف ظاہر ہے
مری سرشت کو جیسے جگا رہا ہے کوئی

نہ ہو ثبات جسے اُس سے اُنس کیا اطہرؔ
اِسی لئے تو یہ رِشتے مِٹا رہا ہے کوئی

٭

کچھ بھی تو زندگی میں نہ پایا ترے بغیر
خود ہم نے اپنے ہی کو مٹایا ترے بغیر

کیونکر کریں بیاں، کہ وہ کتنا تھا دردناک
بارِ اَلَم جو ہم نے اُٹھایا ترے بغیر

کتنے فریب کھائے ہیں ہم نے جہان میں
صبر و سکون دل کا لٹایا ترے بغیر

اپنی سرشت تھی، کہ زمانے کا انتقام
کیا کیا نہ مجھ کو خواب دِکھایا ترے بغیر

دیتا بھی کیا کوئی مجھے مژدہ حیات کا
دل کی ہر اک خلش کو بڑھایا ترے بغیر

اک بیخودی کے دَور میں گزری تھی اپنی زیست
بے وجہ کس نے مجھ کو جگایا ترے بغیر

اطہر کی زندگی ہے، کہ نمونہ حجاب کا
یہ بیخودی نے ہم کو بتایا ترے بغیر

❁

یہ مصلحت تری، چاہا جسے نہال کیا
ترے کرم نے تو لاکھوں کو بامکمال کیا

ہمارے واسطے یہ بھی تو کہنا مشکل ہے
کہ حادثاتِ زمانہ نے پائمال کیا

فنا کی زد میں ہمیشہ سے کائنات رہی
مگر متاعِ محبّت کو لازوال کیا

کمالِ نقش گری کو سمجھ سکا نہ کوئی
بنایا جو بھی مُرقّع وہ بے مثال کیا

ہر اک شے میں ترا عکس جلوہ افگن ہے
ہر ایک شے کو جو دنیا میں بیمثال کیا

نہ جانے کتنے تھے ایسے جنھیں بہکنے دیا
نہ جانے کتنوں کو وارفتۂ جمال کیا

ترا کرم ہی تو اطہرؔ کا بس سہارا ہے
جبیں جُھکا دی جو اُس نے تو کیا کمال کیا

⁂

جب دیکھو سُپردِ رَسَن و دار کرے ہو
کچھ بات ہے جو اتنا ہمیں پیار کرے ہو

اب میری خطا کیا ہے جو میں ہوں متلاشی
دِکھلا کے جَھلک طالبِ دیدار کرے ہو

اس سے تو یہ بہتر ہے کہ پیاسا ہی رہوں مَیں
اِک جُرعۂ مَے کا مجھے مَیخوار کرے ہو

بس ایک تبسّم ہی رہا مقصدِ ہستی
ویرانۂ دل کو مرے گُلزار کرے ہو

اب کتنا تفاوت ہے، جبلّت میں ہر اک کی
گُل اِس کو بنائے ہو، اُسے خار کرے ہو

کِتنوں کو بھٹکنے دیا بازارِ جہاں میں
کِتنوں کو یہاں حاملِ اسرار کرے ہو

معلوم ہیں تم کو تو مری خامیاں ساری
محشر میں مجھے کِس لئے تم خوار کرے ہو

کچھ سوچ سمجھ کے ہی مقدّر کیا نافذ
بدلا نہیں جو فیصلہ اِک بار کرے ہو

یہ ایک رہی بخش کے رنج و اَلَم و دَرد
اطہر کو بھلا کِس لئے سرشار کرے ہو

یہ کون سا عالَم ہے، کہ جلوے ہیں نہ پَردے
اے محویتِ عِشق، مجھے کون خبر دے

اے حُسنِ اَزل بکھرے ہیں ہر سُو ترے جلوے
دیکھوں اُنھیں تو مجھ کو بصیرت بھی مگر دے

آنسو یہی جو خاک میں مِل جاتے ہیں گِر کر
ہوگا یہ کرم تیرا، انھیں تابِ گہر دے

نالے مرے اُٹھتے ہیں، مگر سب ہیں وہ بے سُود
جب تک کہ نہ کچھ سوزِ دروں ان کو اَثر دے

تِشنہ ہی رَہا بزمِ اَزل سے مَیں نِکل کر
خالی ہے مرا جام جو، تو چاہے تو بھر دے

اِس عالَمِ پُرپیچ کی دشوار ہیں رَاہیں
حاصِل ہو سُکوں جس سے وہی فِکر و نظر دے

بخشِش کا نزول اُن کی ہے، ہنگامِ سحر ہے
کچھ لعل و گہر مجھ کو بھی اے دیدۂ تر دے

اِک بندۂ مجبُور، جسے کہتے ہیں اطہر
تیرے لئے کیا ہے، کہ جو چاہے، اُسے کر دے

مَیں بہک چکا تھا مگر، تری نگہہِ کرم نے بچا دیا
جو حجاب عقل پہ تھا پڑا، وہ حجاب تو نے اُٹھا دیا

جو نہ اُٹھ سکے وہ تھا بارِ غم، مگر آنکھ مری ہوئی نہ نم
سہے جو بھی مجھ پہ پڑے اَلَم، پہ شعور کو تو جگا دیا

ترے قُرب کی ہے وہ روشنی، جو مِلے تو تا بہ اَبد رہے
جسے موت بھی نہ بُجھا سکے، وہ چراغ دل نے جگا دیا

اسی کشمکش میں گزر گئیں، مری زندگی کی وہ ساعتیں
کبھی آرزو سے تھا دست کش، کبھی آرزو کو بڑھا دیا

ترا ایک بندہ حقیر تر، مری کیا بساط جہان میں
یہ ترا کرم کہ نوازکر، مجھے راستے پہ لگا دیا

جو ہو مرضی تیری وہ کر عطا، کوئی اور دے گا اُسے تو کیا
ترے آگے اطہرِ بے نوا نے، دُعا کو ہاتھ اُٹھا دیا

⁂

نعت

زِہے نصیب، کہ دَر کا تِرے گَدا ہوں میں

ہَزار جَان سے فِدا، گرچہ بے نَوا ہوں میں

تذکرہ اُن کا جو بادیدۂ تر ہو جائے
اشک جو آنکھ سے نکلے وہ گُہر ہو جائے

کیا بتاؤں مَیں اُنھیں حالِ غمِ دل اپنا
اُن کی بس ایک عنایت کی نظر ہو جائے

بادِ صَرصَر نے بُجھایا ہے چراغِ اُمّید
وہ جو چاہیں تو وہی بادِ سَحر ہو جائے

سوچ سکتا بھی نہیں انکے کرم کا صدقہ
گر مرے جوشِ جُنوں انکی نظر ہو جائے

تیرگی میں جو پڑا دُور ترے دَر سے ہوں
اِس شبِ غم کی مرے کاش سَحر ہو جائے

کیا دکھاؤں گا انھیں جا کے مَیں حالت اپنی
میرے مالک کوئی سامانِ سَفر ہو جائے

خوش نصیبی کا مری کوئی ٹھکانہ نہ رہے
آستاں پر جو ترے عُمر بَسر ہو جائے

گر حجابوں سے نکل آئے ترا حُسن و جمال
ایک اک ذرّہ یہاں شمس و قمر ہو جائے

ہر گھڑی غرقِ تصوّر میں ہے جس کے اطہر
کاش اُس کو بھی کبھی اِس کی خبر ہو جائے

کہتے ہیں یہی کوچہ و بازارِ مدینہ
گزرے ہیں اِدھر سے ابھی سرکارِ مدینہ

اس شہر میں دیکھا نہیں دامن کوئی خالی
ہے تیرا کرم ابرِ گہربارِ مدینہ

ہر لمحہ یہاں ہوتی ہے جو بارشِ انوار
یہ خُلدِ بریں ہے، کہ ہے گلزارِ مدینہ

یماں کی ہر اک سینے میں اک جوت جگادی
ابش نے تری اے دُرِ شہوارِ مدینہ

خالق نے دیا اُن کو جو رتبہ بھی تو کیسا!
کونین کے مختار ہیں، مختارِ مدینہ

کتنے ہی برس ہو گئے ہم آئے وہاں سے
اب تک ہیں نظر میں دَر و دیوارِ مدینہ

اِس ہستیِ ناچیز کو مرکز کوئی مِل جائے
دکھلادے تصوُّر مرے دربارِ مدینہ

ہر چند نہیں اہل، مگر کاش ہو ایسا
سینہ ہو مرا حاملِ اسرارِ مدینہ

اک آن میں اطہرؔ کا مُقدّر ہی بدل جائے
ہو جائے کرم آپ کا سرکارِ مدینہ

تری عظمتوں کی نہیں ہے حد، تو رسولِ ربِّ عظیم ہے
تری حکمرانی دلوں پہ ہے، یہ عطائے ربِّ حکیم ہے

وہ تری صفات کی ہے ضیا، کہ ضیائے ربِّ کریم ہے
وہ نوائے نرم و خنک ادا، کہ نقیبِ ضربِ کلیم ہے

ترے پیروؤں کے لئے کھلا درِ گلستانِ نعیم ہے

تری ذات آئینہ حسن کا، کہ تھا عکسِ جلوۂ لم یزل
ترے نورِ پاک سے جل اٹھے تھے چراغِ انجمنِ ازل

وہ تری نگاہ، کہ منظرِ رخِ دو جہاں کو دیا بدل
وہ تمام مسئلے حل۔ کئے جو نہ ہو سکے تھے کسی سے حل
کہ شکستہ پا تھیں ذہانتیں، کہیں علم کچھ تھا، تو کچھ عمل

جو تری کتابِ حیات میں ملیں رہنمائی کو سُرخیاں
ترے رُخ کی تھیں جو صباحتیں، ترے گیسوؤں کی تھیں لالیاں

وہی لوگ ہو گئے سرخرو، جو بنا سکے انھیں حرزِ جاں
وہ ترے پیام کی روشنی تھی، کہ جگمگانے لگا جہاں
بصد اعتماد رواں ہوا، رہِ زندگانی پہ کارواں

غمِ ہجر مٹ کے ملال و حزن کی ساری گرد کو دھو گیا
وہ پلٹ کے آیا ہے شادماں، ترے آستانے پہ جو گیا

ہوا غرقِ بادۂ عشق یوں کہ سرور و کیف میں کھو گیا
غمِ ماسوا نہ رہا اُسے، وہ خدائے پاک کا ہو گیا
وہ سکونِ روح ملا، کہ تیری طلب کی چھاؤں میں سو گیا

(۱)

چلا جو تیری راہ میں وہی تو باوقار ہے
اُسی کے دم سے گلشنِ حیات میں بہار ہے
ترا خیال باعثِ سکون ہے، قرار ہے
یہ دل ہے کیا، جگر ہے کیا، یہ جان بھی نثار ہے
وہ تیری ذاتِ پاک ہے جو فخرِ روزگار ہے

(۲)

ملی ہے تجھ کو سروری، خدا جو کارساز ہے
ازل سے سلسلہ ترا، ابد تلک دراز ہے
تری نگاہِ مہر ہے، کہ اِک جہانِ راز ہے
کرم کو تیرے کیا کہوں، بڑا تو دلنواز ہے
ترے قریں جو آگیا، جہاں میں سرفراز ہے

(۳)

بہار در کنار ہے تری نگاہِ دلنشیں
ترے قدم جہاں پڑے، دمک اُٹھی وہیں زمیں
کھلے چمن میں پھول وہ، سُبک سُبک حسیں حسیں
ترا غلام کہہ رہا ہے آفریں صد آفریں
تری عطا کی حد نہیں، بُلا لیا اُسے قریں

(۴)

ترا طریقہ بے بہا، ترا پیام جاوداں
بڑھے صحابہؓ اِس طرح، کہ حیرتی تھا کُل جہاں
بدل گئی ہے زندگی، نہ وہ فضا، نہ وہ سماں
اِدھر اُدھر بھٹک گیا، تو لُٹ گیا ہے کارواں
تری دُعا سے پھر خدا، بدل دے اُسکی داستاں

(۵)

بدل گئے ہیں زاویے، بڑھے تو کس طرح قدم
جو کھو دیا نشانِ رہ، ملا نہ کچھ بجز اَلم
بھُلا دیا ترا سبق، بڑا غضب، بڑا ستم
عجیب حالِ زار ہے، لکھے تو کیا لکھے قلم
سکونِ دل ملے کہاں، زباں پہ ہے نوائے غم

(٦)

ہر ایک جا ہے گمرہی، ہر ایک جا ہے خودسری
رقابتوں سے دہر میں، مچی ہوئی ہے ابتری
جدھر جدھر نظر اٹھی، دکھائی دی ہے کج روی
منافقوں کا دور ہے، اکڑ رہی ہے کافری۔
ہے عالمِ بسیط کو، پھر احتیاجِ رہبری

(۷)

دلوں میں جاگزیں ہو پھر، دیا تھا تو نے جو پیام
اُسی کی روشنی میں ہو، جہانِ کہنہ کا نظام
کہ فرق کر سکے نہ کوئی درمیانِ خاص و عام
ہر ایک لب پہ ہو درود، ہر زباں پہ ہو سلام
کہ سربلند ہو جہاں میں تیرا کام، تیرا نام

میرا وجود کیا ہے، اُجڑا سا آشیاں ہے
تو رحمتِ دو عالم، تو جودِ بیکراں ہے

تو عشق ہے مکمّل، تو شوق ہے سراسر
گویا تمام عالم تیری ہی داستاں ہے

ان کی تجلّیوں سے عالم ہوا ہے روشن
جس رہگزر سے گزرے، وہ آج کہکشاں ہے

جُود و سخا پہ اُن کے نازاں رہا زمانہ
وہ رحمتوں کا مظہر، ہر اک پہ مہرباں ہے

رُوحانیت کی دُنیا سرشار ہے اُسی سے
اُس کی صباحتیں ہیں، وہ حُسنِ جاوداں ہے

مُرجھا چکی ہیں کلیاں، رونق نہیں چمن میں
اے والیِ مدینہ، تیرا ہی گُلستاں ہے

مغموم ہیں فضائیں، اُجڑی ہے دل کی بستی
کتنے دِلوں کی ڈھارس، تیرا یہ آستاں ہے

عشقِ رسولؐ سے ہی ملتی ہے منزلت بھی
اُس پر فدائیں اطہر، کیسا وہ حرزِ جاں ہے

بڑی اعلیٰ، بڑی افضل، مدینہ کی وہ بستی ہے
جہاں پر رات دن اللہ کی رحمت برستی ہے

تری آمد کرشمہ تھی، لہک اُٹھا چمن سارا
خرامِ ناز سے تیرے زمیں اب بھی دمکتی ہے

چلے تھے جو نبیؐ تجھ میں کبھی اے وادیِ بطحا!
تری راہیں، تری اک اک روش اب بھی مہکتی ہے

نگاہوں نے دیئے بوسے نظر آیا جہاں روضہ
مگر ہے تشنہ لب، یہ چشمِ نم، اب بھی ترستی ہے

نہ جانے کس جگہ ہوتا، اگر کچھ بھی کیا ہوتا
کرم اُن کا رہا ہر دم، مگر میری جو پستی ہے

تری چشمِ عنایت کی زمانے کو ضرورت ہے
جہالت ہے، ضلالت ہے، وہی باطل پرستی ہے

فسانہ زندگی کا کس قدر اُلجھا رہا اطہر
سُکوں میں بھی کشاکش ہے، عجب دل کی یہ بستی ہے

❁

میں نے یہی سُنا بھی، دیکھا بہ چشمِ تر بھی
تیرا کرم ہے ہر سُو، ظاہر بھی مُستتر بھی

رُوحانیت میں تیری کیا شانِ دلبری تھی
کیا کیا کِھلے تھے غنچے، اُٹھّی نظر جدھر بھی

کچھ بھی کمی نہیں ہے جود و سخا میں تیرے
اے رحمتوں کے مظہر، چشمِ کرم اِدھر بھی

دل کی اُداسیوں نے رکھّا نہیں کہیں کا
جینے کو جی رہا ہے، محتاجِ یک نظر بھی

ظلمت میں گھر چکا ہے قلبِ سیاہ میرا
اِس شامِ غم کی آخر ہو گی کبھی سحر بھی

اُجڑی ہے دل کی بستی، افسردگی ہے چھائی
بیمارِ غم کی اپنے کچھ لیجئے خبر بھی

سُن لیں مری دُعائیں، کتنا کرم ہے اُن کا
مجھ کو بُلا لیا ہے، دِکھلا کے رہگزر بھی

اک بیخودی ہے طاری طیبہ کے راستے میں
آسان ہو گیا ہے یہ جادۂ سفر بھی

اے ساتھیو سفر کے، ہے سامنے مدینہ
ابرِ کرم ہے چھایا، مہکی ہے رہگزر بھی

قدموں میں تیرے آ کے مجھ کو ملی ہے ڈھارس
مارے حیا کے میری اُٹھتی نہیں نظر بھی

کر دے اسے مُبارک اے دو جہاں کے مالک!
عقبیٰ کی منزلوں میں اطہرؔ کا یہ سفر بھی

⁂

نازاں رہا زمانہ اُس جُودِ بیکراں پر
ہر آن جس کی رحمت چھائی ہے گُلستاں پر

کِس کی بساط اتنی، سمجھے جو اُس کی سطوت
اُس کی بلندیوں کا چرچا ہے آسماں پر

منہاجِ دین اس کی اک دائمی حقیقت
کیا فوقیت ہے اُسکو ہر شک پہ، ہر گماں پر

اُس کی نوازشوں سے ہر شخص اُس پہ شیدا
اُس کی رہی حکومت ایک ایک جسم و جاں پر

اُس پر درود پڑھنا فطرت کا ہے تقاضہ
جود و کرم پہ اُس کے، احسانِ جاوداں پر

کتنے بشر وہاں سے سرشار ہو کے لوٹے
حاضر رہے ملائک اُس در پہ، آستاں پر

گاتا رہا ترانہ اک عالمِ جنوں میں
کتنی رہی نوازش اِس طرزِ داستاں پر

تو نے لقب ہے پایا خالق سے مہرباں کا
نازل کرم ہو تیرا، مجھ جیسے بے نشاں پر

اے رحمتِ دو عالمؐ، اطہر پہ ہو عنایت
جو مدّعا ہے اُس کا، آیا ہے وہ زباں پر

اک نظر میں تری ہر خارِ گُلستاں ہو جائے
بحرِ ظلمات کا ہر قطرہ درخشاں ہو جائے

پَرتوِ حُسن کی بس ایک کرن ہے کافی
ہر بجھی شمع اندھیرے میں فروزاں ہو جائے

جُنبشِ چشم سے تیری ہے سنورتی قسمت
گر وہ اُٹھ جائے تو پھر حاصلِ ایماں ہو جائے

کتنے اسرار کا حامل ہے ترا یہ رَوضہ
کیا یہ ممکن نہیں کچھ مجھ پہ نمایاں ہو جائے

اپنے جلوؤں سے دو عالم کو منوّر کر دے
ہر گلی کوچے میں اِک بار چراغاں ہو جائے

میکدے جھوم اُٹھیں، ساغر و مینا چھلکے
گر ملے تیری محبّت جو رگِ جاں ہو جائے

منکشف راز یہ دنیا پہ ہوا ہے اطہر
راہ پر تیری جو انساں چلے، انساں ہو جائے

⁂

اے زندگی اب جا کے مدینہ میں گزر کر
تیرے لئے سب کچھ ہے وہیں اب تو سفر کر

اِس عالمِ فانی کی کشش کتنی مخرّب
پھر دیکھ سنبھل اُس کے علائق سے حذر کر

مانا رہا گمراہ بہت بھٹکا کیا میں
ویرانۂ ہستی میں کہاں جاؤں خبر کر

پھر جانبِ بطحا سے اِدھر آئیں بہاریں
اَب آخری منزل ہے وہیں شام و سحر کر

اک دل ہے مگر وہ بھی تو ناسُور بنا ہے
کچھ دے کے سہارا تو غنی قلب و جگر کر

آیا ہے ترے دَر پہ اُمیدوں کے سہارے
اک بندۂ مجبُور پہ کچھ لُطفِ نظر کر

اے اطہرِ عاصی تو مقدّر کا دھنی ہے
نظّارۂ قدرت تو بہ ایں دیدۂ تر کر

٭

پیمبرؐ کی غلامی میں جہانِ شور و شر کیا ہے
سمجھ سکتا نہیں یہ بھی تو پھر وہ دیدہ ور کیا ہے

ترا نقشِ کفِ پا ہے، کہ گہوارہ ہدایت کا
ملائک ہی سمجھتے ہیں کہ تیرا سنگِ در کیا ہے

شعورِ تو دیا تو نے زمانے کے حکیموں کو
کیا واضح ہر اک پر زندگی کا یہ سفر کیا ہے

سکونِ دل، نشاطِ جاں، یہی ہے گنبدِ خضرا
مظاہر کی فراوانی، مگر میری نظر کیا ہے

سما سکتا نہیں اُن میں کبھی شمہ برابر بھی
ترے جلوؤں کے آگے یہ مرا قلب و جگر کیا ہے

نبیؐ کے بس تصدّق میں عطا کر دے رضا اپنی
مری آہ و فغاں یارب بہ ہنگامِ سحر کیا ہے

ارے اطہر بھلایا کس لئے تو نے حقیقت کو
کبھی سمجھا بنائے آدمیت بے خبر کیا ہے

٭

تو شریکِ بیم و رجا لے کے بہم آتے ہیں
گرتے پڑتے جو تری بزم تک ہم آتے ہیں

منزلِ صبر و رضا کتنی ہے دشوار یہاں
لے کے پیغامِ مسرّت ترے غم آتے ہیں

کچھ بھی معلوم نہیں ہم کو، کہ جانا ہے کدھر
راہ میں تکتے ہوئے نقشِ قدم آتے ہیں

دوش پر بارِ ندامت کو اُٹھائے اے دوست
تیری محفل میں لئے دیدۂ نم آتے ہیں

لے کے آئی ہے انھیں کھینچ کے الفت تیری
جو بھی آتے ہیں وہ ممنونِ کرم آتے ہیں

آسماں سے جو ترے دَر پہ برستا ہے یہ نور
کس مسرّت سے مَلک سُوئے حرم آتے ہیں

کتنا دشوار ہے یہ زیست کا نمناک سفر
کاش اطہر کہے اک روز کہ ہم آتے ہیں

٭

نہ ہو کیوں فخر اپنے مہرباں پر
جھکی پڑتی ہیں شاخیں آشیاں پر

دمک اٹھے ہیں سارے تختۂ گل
نظر کس کی پڑی ہے گلستاں پر

ابھی تک جگمگاتی جا رہی ہے
قدم کس کے پڑے ہیں کہکشاں پر

مُرادِ دل جو بَر آئی پہونچ کر
نگاہیں جَم گئی ہیں آستاں پر

بیاں ہو تیری رفعت کا تو کیونکر
ترے چرچے زمیں پر، آسماں پر

نہیں ہے انتہا تیری سَخا کی
کرم ہے تیرا حالِ بیکساں پر

ترے دَر کا سوالی ہے یہ اطہر
کرم کی ہو نظر اس خستہ جاں پر

❁

(۱)

جہاں میں روشنی پھیلی تری چشمِ عنایت سے
نشاطِ کامرانی بھی ملا تیری قیادت سے
دلوں نے تازگی پائی ترے مہر و مروّت سے
ہوئے صالح عقیدے بھی ترے فیضِ رسالت سے
کمالِ زندگی حاصل ہوا، تیری شریعت سے

(۲)

تخیّل کی بلندی چھو نہیں سکتی تری رفعت
سراہا ہے خدا نے خود صحیفے میں تری عظمت
حقائق کی نمائش تھی زمانے میں تری سطوت
رسالت کی گواہی سے جہاں کو مل گئی دولت
کشادہ کس قدر تیرا رہا ہے دامنِ رحمت

(۳)

فدا تجھ پہ صحابہؓ تھے جو بخشی آگہی ان کو
ترے فیضانِ صحبت سے ملی تھی روشنی ان کو
جہادِ زندگانی تھا، حیاتِ عارضی ان کو
بہت آساں ہوئی راہِ خدا میں بندگی ان کو
ترا نقشِ قدم تھا انبساطِ دائمی ان کو

❖

(۴)

تری اُمّت کو بننا تھا نمونہ بس اطاعت کا
سبق اس کو پڑھانا تھا زمانے کو صداقت کا
توقع تھی بنے پیکر عدالت کا، شجاعت کا
زمانے میں ملے رتبہ اُسی کو ہی قیادت کا
رہے شیوہ مگر اس کا قناعت کا، انابت کا

❖

(۵)

مگر اُمّت گریزاں ہے، فقط کچھ لن ترانی ہے
دِگرگوں اس کی حالت ہے، زبوں اسکی کہانی ہے
اطاعت میں تری، پنہاں شعورِ زندگانی ہے
نشاطِ کامرانی ہے، حیاتِ جاودانی ہے
مدد تیری ملے اس کو، تو تیری مہربانی ہے

٭

وہ فخرِ انبیاءؑ، بانی ہوا جو قصرِ ایماں کا
وہی تو محسنِ عالم ہے بیشک نوعِ انساں کا

اندھیرے جہل کے چھٹتے گئے جس کی عنایت سے
اُجالا ہر طرف ہے بس اُسی شمعِ فروزاں کا

مبلّغ تھا صداقت کا، وہ داعی تھا حقیقت کا
مصافِ زندگانی میں نمونہ تھا وہ قرآں کا

بُلا کر عرش پر اس کو خدا نے ہم کلامی کی
نہیں باقی رہا قصّہ ہی کوئی حدّ و امکاں کا

دیا جس نے مساوات و اخوت کا سبق ہم کو
اُسی ذاتِ گرامی سے مِلا ہے دَرس ایماں کا

جسے بھی کچھ مِلا ہے، بس مِلا اسکی وساطت سے
وہی تو ہے کرم گُستر، جو راحت ہے مری جاں کا

وہی دمساز و مونس ہے جہاں کے بے نواؤں کا
کرم پَرور، سخی، داتا، نگہباں تھا گُلستاں کا

شہادت دی نبوت کی، تو پھر اسکے فرائض ہیں
ارے غافل سمجھ لے مدّعا پھر عہد و پیماں کا

کرم کی ہے نظر اُن کی مرے حالِ پریشاں پر
اَدا کر شُکریہ اطہر ہمیشہ اُن کے اِحساں کا

پیمبرؐ گر نہیں آتے کہاں یہ آستاں ملتا
زمانے میں سکونِ دل نہ جانے پھر کہاں ملتا

انھیں کے نقشِ پا کرتے رہے ہیں رہبری ہر دم
وگرنہ عمر بھر ہم کو نہ منزل کا نشاں ملتا

نظر اُن کی نہ ہوتی تو اندھیرا ہی اندھیرا تھا
مظالم کی فضاؤں میں چمن نذرِ خزاں ملتا

وسیلہ گر نہیں ملتا اُسی ذاتِ گرامی کا
ترے قول و عمل پر خشمگیں یہ آسماں ملتا

مٹایا گر نہیں ہوتا انھوں نے کل ضلالت کو
تجھے ہر ہر قدم پر راہ رَو کوہِ گراں ملتا

تری نسبت پیمبرؐ سے ضمانت ہے شفاعت کی
قریں اُن کے اگر آتا تو دودِ بیکراں ملتا

کہیں گے پھر یہی اطہرؔ قیامت میں منافق بھی
نبیؐ کی پیروی کرتے، تو گلزارِ جناں ملتا

تو نے پیامِ حق کے وہ نغمے سُنا دیئے
باطل کے جو نقوش تھے یکسر مٹا دیئے

ظلمت میں گُم ہوا تھا جو منزل کا ہر نشاں
تیرے کرم نے خُلد کے رستے دکھا دیئے

تیری نظر سے ہِل گئی ساری اساسِ کُفر
آتش کدے جو جل رہے تھے وہ بُجھا دیئے

دانشوروں کو مل گئی تجھ سے حیاتِ نو
کتنے رموز تھے کہ جہاں کو بتا دیئے

تیری نظر سے عالمِ کہنہ بدل گیا
قلبِ سیاہ تھے جو کبھی، جگمگا دیئے

اُن کے کرم سے آج بھی بڑھتا ہے کاروان
وہ زیست کے سفر کے سلیقے سکھا دیئے

پردے پڑے تھے آنکھ پہ اطہرؔ مجاز کے
اُن کے کرم نے آج وہ پردے اُٹھا دیئے

❖

خاکِ پائے مصطفیٰؐ سے یوں بڑھی نسبت مری
زندگی کا ہے سہارا، بس یہی دولت مری

حسرتوں کے درمیاں ہی مٹ نہ جائے زندگی
دیکھئے آقاؐ مرے، کیا ہو گئی حالت مری

تیرگی کا دور تھا جس سے نکلنا تھا محال
اک نظر اُن کی پڑی تو چھٹ گئی وحشت مری

ہیچ ہیں دنیا کے سارے جاہ و حشمت ہیچ ہیں
ہے ترے دَر کی غلامی بیکراں سطوت مری

اِس گدا کو چاہیئے اِس سے زیادہ کچھ نہیں
جُنبشِ چشمِ کرم ہے بے بہا دولت مری

کیا غرض مجھ کو کہ کیسا ہے نُزہتِ خُلدِ بریں
اک عنایت کی نظر تیری ہے جب جنّت مری

کیا کہوں اطہرؔ، نبیؐ کا کیسا رہا مجھ پر کرم
بینوائی مِٹ گئی یوں۔ بڑھ گئی اُلفت مری

❁

زہے نصیب، کہ دَر کا ترے گدا ہوں مَیں
ہزار جاں سے فِدا، گرچہ بے نوا ہوں مَیں

تصوّرات کی دنیا میں کیا بہاریں ہیں
دَرِ حضورؐ پہ حیرت زدہ کھڑا ہوں مَیں

ترے کرم کا تصدّق، جو تجھ سے نسبت ہے
خوشا نصیب، کہوں پیکرِ وفا ہوں مَیں

قلم کو ورنہ مرے کب مجالِ جُنبش تھی
ترا کرم ہے، اگر ذاکرِ ثنا ہوں مَیں

رہِ حیات میں آتے ہیں پیچ و خم کتنے
مدد کر اے مرے مولا، کہ کھو گیا ہوں مَیں

تجلّیوں سے تری دل مرا بھی روشن ہو
مرا یہ حال ہے جیسے بجھا دیا ہوں مَیں

نوازشیں رہیں اُن کی جو حالِ اطہر پر
سمجھ میں کچھ نہیں آیا مری، کہ کیا ہوں مَیں

جو تو نے کی ہے توجّہ تو انتہا کر دے
ہمارے دَردِ محبّت کو لا دَوا کر دے

ترے حضور میں گزرے یہ زندگی میری
زہے نصیب، یہی دل کا مدّعا کر دے

تری نگاہ سے رَوشن ہوا تھا جو عالَم
اُسی کو عام زمانے میں پھر خدا کر دے

ترے جلو میں جو رَوشن یہ چاند تارے ہیں
رہِ حیات میں ان کو ہی رہنما کر دے

نہ جانے کون سی منزل سے ہے گزرا اپنا
مرے نیاز کو اخلاصِ بے ریا کر دے

دیا ہے تو نے سہارا، تو یہ عنایت بھی
شعورِ عشق سے مجھ کو بھی آشنا کر دے

یہ مُشتِ خاک ہے اُٹھ کر فلک نشیں ہو گی
کرم سے اپنے تو اس کے لئے دُعا کر دے

دلِ شکستہ کی یہ آرزو رہی، تجھ پر
بصد نیاز یہ جانِ حزیں فدا کر دے

مسرّتوں کی طلب رہ نہ جائے اطہر کو
غمِ حیات کو افسانۂ وفا کر دے

رحمت کا تری چار سُو منظر نظر آیا
جس کی نہ پذیرائی ہو، کمتر نظر آیا

تیری نگہِ مہر سے جب بھی ہوا محروم
گلشن میں نہ پھر کوئی گُلِ تر نظر آیا

اس دورِ ضلالت میں وہ خطّہ ہے جہاں پر
ہر اک ترا پیغام موثّر نظر آیا

تھا لُطف و کرم تیرا جو واضح ہوئیں قدریں
جس کا متلاشی تھا وہ اطہر نظر آیا

❁

سلام بدرگاہِ خیر الانامؐ

اے وجہِ آفرینشِ عالم تجھے سلام
سمجھا کے تو نے دانش و دیں کے اصول سب
پھر مقصدِ حیات بھی تو نے بتا دیا
روشن کئے منارے جو راہِ حیات میں
چلنے کا رہروؤں کو سلیقہ سکھا دیا
اے رازِ کائنات کے محرم تجھے سلام

کون و مکاں کے شاہ، دو عالم کے تاجدار
تیری صباحتوں نے نکھارا رُخِ چمن
روشن رہِ حیات ترے نقشِ پا سے ہے
تیرے ہی دم قدم سے ہے قائم یہ انجمن
اے والیِ دیارِ مکرّم تجھے سلام

اے وہ کہ تو ہے عرشِ معلّٰی کا راہرو
اُونچی ہیں آسمانوں سے تیری بلندیاں
ہم بیکسوں کے غم کا مداوا تری نظر
ہم عاصیوں کے دل کا سہارا تری زباں
اے بیکسوں کے والی و ہمدم تجھے سلام

اُمّت بُھلا چکی ترے درسِ حیات کو
کِس درجہ دُور ہو گئی باغِ نعیم سے
بیگانگی کی راہ ہے، پھر بھی لگی ہے لَو
تیری نگاہِ مہر سے، ذاتِ کریم سے
سارے جہاں کے زخم کے مرہم تجھے سلام

تیری ہی روشنی سے ہے رَوشن تمام تر
پھُولوں کی انجمن ہو، کہ ہو بزمِ مہر و ماہ
سرتابہ پا ہے خیرِ مجسّم جو تیری ذات
ہم عاصیوں پہ بھی ہو کرم کی بس اِک نگاہ
اطہر نواز، خیرِ مجسّم تجھے سلام

اے رحمتِ دو عالمؐ میرا سلام لے لے

اے رحمتوں کے پیکر، تیری ثنا ہو ہر دم
تیرا کرم ہے ایسا، ممنون ہے یہ عالم
بن جاؤں یوں بھی تیرا، مٹ جائے جس سے ہر غم
کیا کہہ رہی ہے تجھ سے، میری یہ چشمِ پُرنم
اے رحمتِ دو عالمؐ، میرا سلام لے لے

پہونچا دیا جہاں کو پیغامِ سرمدی بھی
سکھلا دیئے ہر اک کو آدابِ بندگی بھی
تیرے کرم سے پھیلی دُنیا میں روشنی بھی
جاتی رہی جہالت، عالم کی تیرگی بھی
اے رحمتِ دو عالمؐ، میرا سلام لے لے

رونق ترے کرم نے بخشی ہے محفلوں کو
آسان کر دیا ہے، دنیا کے مرحلوں کو
ہر سُو نگاہ ڈالی، دے دی جِلا دلوں کو
کیا کیا عروج بخشے ہیں تو نے کاملوں کو
اے رحمتِ دو عالمؐ، میرا سلام لے لے

عالَم کا ذرّہ ذرّہ دیتا ہے یہ گواہی
تجھ سے گریز کرنا، دُنیا کی ہے تباہی
عالَم میں آشکارا تیری ہی دیں پناہی
جو بھی ہوا ہے تیرا، قُربان اُس پہ شاہی
اے رحمتِ دو عالَمؐ، میرا سلام لے لے

مشہور ہے جہاں میں تیری کرم نوازی
کیا پیروؤں نے تیرے پائی تھی سرفرازی
کتنی لطیف تر تھی تیری وہ دلنوازی
اس کو کہوں نہ کیونکر خالق کی کارسازی
اے رحمتِ دو عالَمؐ، میرا سلام لے لے

وجہِ نجات و بخشش تجھ پر درود پڑھنا
تجھ پر سلام پڑھنا، تیرا پیام سُننا
تیری عطا کا صدقہ، مجھ کو غلام کرنا
کون و مکاں کی شاہی، تیرا غلام بننا
اے رحمتِ دو عالمؐ، میرا سلام لے لے

کتنے دِلوں کی ڈھارس تیرا یہ آستانہ
آباد پھر سے کر دے اُجڑا ہے آشیانہ
تیری نگاہ میں ہے عالم کا کارخانہ
ہر لحظہ ہونٹوں پر میرے یہی ترانہ
اے رحمتِ دو عالمؐ، میرا سلام لے لے